

سیاسی قصائی

آزاد کشمیر میں الیکشن ہونے والے ہیں۔ مختلف جماعتوں کے اکابرین کی تقاریر سن کر لگتا ہے کہ یہ مقابلہ سیاسی نہیں بلکہ گالم گلوچ اور ادنیٰ فقروں کا ہے۔ ایک سے ایک گری ہوئی بات سنائی دیتی ہے۔ پھر ہماری اجتماعی شعور کی پختگی کا یہ عالم ہے کہ جتنی بڑی ذومعنی گالی ہوگی۔ اتنا ہی جلسہ میں موجود بہادر سامعین خوشی سے تالیاں بجائیں گے۔ منفی مقابلے ایسے ہی ہوتے ہیں اور ابتر لوگ بھی لوگ اسی طور کے۔ کئی تقاریر تو اتنی گھٹیا ہیں کہ سرحد پار مقبوضہ کشمیر کے مسلمانوں کا سر شرم سے جھک گیا ہوگا۔ کہ یہ ہیں پاکستان کے سیاسی رہنما۔ غرض میں بندھے ہوئے پارٹی کے کارکنان کی اکثریت کو تو شاید اپنی قیادت کی باتیں بری نہ لگیں، مگر مجموعی طور پر ”ہمارے رنگ باز مقررین“ حد درجہ گری ہوئی تقاریر کرنے میں مصروف ہیں۔ ویسے ایک اندازہ تو یہ بھی سامنے آیا ہے کہ ”جیئے بھٹو“ کے نعرہ کا اب آزاد کشمیر میں بھی چل چلاؤ نظر آ رہا ہے۔ زرداری صاحب نے ایک عظیم سیاسی جماعت کو شخصی خوف کے زور پر جس طرح چلایا ہے۔ اس کی بدولت اب یہ پارٹی دراصل سیاسی جماعت کے درجہ سے کم ہو کر چند لوگوں کے شخصی مفادات تک محدود ہو چکی ہے۔ سندھ کی صوبائی حکومت حد درجہ غیر فعال اور نحیف ہے۔ اس کا وجود صرف پریس کانفرنسوں کی بدولت ہے۔ فریال تالپور صاحبہ کشمیر میں پیپلز پارٹی کے ووٹ کم تو کروا سکتیں ہیں۔ مگر ان کی موجودگی میں کوئی بھی جیلا سنجیدگی سے اپنی ہی پارٹی کو ووٹ ڈالنے پر آمادہ نہیں ہوگا۔ باقی آصف زرداری کے متعلق کوئی بھی بات کرنا مناسب نہیں۔ کیونکہ ابھی تو وہ میدان میں طفل مکتب بھی نہیں۔ سفید دوپٹہ اوڑھ کر بے نظیر بھٹو نہیں بنا جا سکتا۔ عظمت اگر وراثت میں تھوپ دی جائے تو اس میں سے جہاں دیدہ بصیرت جنم نہیں لے سکتی۔ یہی قانون قدرت ہے۔ کبھی برگد کے درخت کے نیچے پودے اور درخت نہیں اگتے۔ سیاست میں بھی یہی ہے۔ بلکہ انسانی حیات میں بھی یہی کلیہ موجود ہے۔ نیلسن منڈیلا ایک ہی تھا۔ اس کے بعد پورے خاندان میں اس جیسا عظیم لیڈر جنم نہیں لے سکا۔ قائد اعظم کے کئی بھائی تھے، مگر کوئی بھی ان کی ذہانت اور سیاسی فکر کے پاسکو بھی نہیں تھا۔ یہی حال برصغیر میں دوسرے قائدین کا تھا۔ گاندھی کے بیٹوں کے نام تک کوئی نہیں جانتا۔ ہمارے بڑے سیاسی خاندان، اس قانون قدرت کی مخالفت کر رہے ہیں۔ نتیجہ یہ کہ ایک ایسی اولاد کو اتالیق رکھ کر لیڈر بنایا جا رہا ہے جن سے عظمت کے سائے دور بھاگ رہے ہیں۔ کشمیر کے الیکشن میں ان کی باتیں سن کر تعجب ہوتا ہے کہ یہ ملک کے عام شہریوں کو کتنا بے وقوف سمجھتے ہیں۔ اب افسوس نہیں ہوتا بلکہ ہنسی آتی ہے۔ اپنی پرانی باتوں کے متضاد ایسی باتیں کرتے ہیں کہ شاید انہیں شرم نہ آئے، مگر سننے اور دیکھنے والے بہر حال اندر ہی اندر شرمسار ہوتے ہیں۔ اب گمان ہے کہ شرم بھی ہمارے سیاسی کلچر سے جا چکی ہے۔

تحریک انصاف کے ایک مرکزی وزیر جو شہد کی بوتلوں کی وجہ سے ”لازوال سچائی“ کے علمبردار ہیں۔ آزاد کشمیر کی سیاست میں سرعام پیسے دیتے دیکھائی دے رہے ہیں۔ اتنی ڈھٹائی ہے کہ فرمایا جا رہا ہے کہ ذاتی جیب میں سے خرچ کر رہا ہوں۔ مگر واقف حال جانتے ہیں کہ پیسہ کس ادارے کا ہے۔ آپ آزاد کشمیر کے الیکشن کمشنر کی بے بسی دیکھئے کہ فرماتے ہیں کہ انہیں کشمیر کی انتخابی مہم سے نکال دیا جائے۔ صاحب، کتنا کمزور سا حکم ہے۔ اگر یہ لندن کے کسی الیکشن میں ہو رہا ہوتا تو یہ شخص نہ صرف وزارت سے نکالا جاتا بلکہ تاحیات کسی طرح کے انتخاب میں حصہ لینے کے لئے نااہل قرار پاتا۔ مگر یہ تو پاکستان ہے۔ بھلا ہمارا میرٹ سے کیا تعلق؟ یقین فرمائیے کہ ہم تمام لوگ اب پوری دنیا سے الٹی سمت میں دوڑ رہے ہیں۔ دنیا کا ہر ملک ہم سے خوف زدہ ہے اور ہم اپنے حال میں بد مست ہیں۔ اگر ہم آج بھی ہوش میں نہ آئے، تو جان لیجئے کہ دنیا کے طاقت ور ملک ہماری موجودہ جغرافیائی حیثیت کو بدلنا چاہتے ہیں۔ شاید میری گزارش کو اہمیت نہ دیں مگر جو خاکسار کو نظر آ رہا ہے۔ وہ یہی ہے کہ ہماری سلیمت شدید خطرے میں ہے۔ پنجاب سے تعلق رکھنے والی سیاسی جماعت جو اپنے آپ کو شرافت کا امین بتاتی ہے، اس کے قائدین جلسے میں وہ وہ کچھ فرما رہے یا رہی ہیں کہ ہنسنا بھی دشوار اور رونا بھی مشکل۔ فرمایا گیا کہ بھائیو! آزاد کشمیر کو پاکستان کا صوبہ بنایا جا رہا ہے۔ یہ مکمل طور پر حقائق کے خلاف ہے۔ آزاد کشمیر ایک الگ ملک ہے اور اسے کسی طور پر بھی پاکستان کا صوبہ نہیں بنایا جاسکتا۔ پھر یہ فرمانا کہ فلاں ”سلیکیٹڈ“ ہے۔ یہ بیانیہ بھی حد درجہ نقصان دہ ٹھہرا ہے۔ ن لیگ کے ایچی، جی ایچ کیو کے گیٹ نمبر 4 کے سامنے سجدہ ریز ہیں کہ خدارا ہم پر نظر کرم ڈالیں۔ ہم بھی تو راہوں میں پڑے ہیں۔ جناب کا! ”ووٹ کو عزت دو“ کا بیانیہ تو اس لمحہ ختم ہو گیا تھا جب سندھ کے سابق گورنر آرمی چیف سے سات گھنٹے التجا کرنے کے بعد نا کام واپس آئے تھے۔ سب جانتے ہیں کہ مسئلہ ”سلیکیٹڈ“ کا نہیں، بلکہ یہ ہے کہ ہم ”کیوں سلیکیٹڈ“ نہیں ہو پارہے۔ ایسی ایسی منتیں اور تاویلیں کہ خدا کی پناہ۔ ن لیگ کے صدر تو یہاں تک فرما چکے کہ ”میں تو پیر پکڑنے کے لئے بھی تیار ہوں“۔ طالب علم کو کوئی اعتراض نہیں کہ طاقت ور حلقوں سے کسی بھی سیاسی جماعت یا گروہ کی مفاہمت ہو۔ الجھن اس وقت ہوتی ہے جب اس خواہش کو چھپھوری اخلاقیات کا لباس پہنا کر صریحا جھوٹ بولا جاتا ہے۔ ن لیگ اگر اس طرح کی دو عملی سے اجتناب کرتی تو آج معاملات اور ہوتے۔

دل پر ہاتھ رکھ کر بتائیے۔ کیا ہندوستان کا وزیر اعظم، آزاد کشمیر میں ہمارے سیاسی قائدین کے الجھے ہوئے بیانات سن کر قہقہے نہیں لگاتا ہوگا۔ کیا مقبوضہ کشمیر میں پاکستان سے نسبت رکھنے والے لوگ جزبز نہیں ہو رہے ہونگے۔ شاید شدید ذہنی تناؤ کا شکار ہو رہے ہیں۔ مگر ہم اور ہمارے دانشور کھل کر جگ ہنسانی کا موقع فراہم کر رہے ہیں۔ اب تو صورت حال یہ ہے کہ کسی بھی انیکریرسن یا دانشور کی صرف شکل دیکھ کر معلوم ہو جاتا ہے کہ موصوف کس سیاسی قائد کی شان میں قصیدہ پڑھینگے اور

کس مخالف کے لئے لینگے۔ ٹی وی ٹاک شو زاب اتنی یکسانیت کا شکار ہو چکے ہیں کہ لوگ دیکھنا چھوڑ چکے ہیں۔ بہر حال عقل و خرد سے ہمارے میڈیا کا کتنا تعلق ہے، یہ نکتہ بھی تفصیل سے بحث طلب ہے۔ امریکہ میں ایک غیر متعصب لکھاری سے بات ہوئی تو وہ ہمارے ملک کی اشرافیہ ان کی ایک دوسرے سے تلخی اور ابتر سیاسی صورت حال سے کافی بددل تھا۔ کہنے لگا کہ بین الاقوامی سطح پر پاکستان بڑی تیزی سے ہر طرح کی حمایت کھورہا ہے۔ اس کے بقول وائٹ ہاؤس کو آج بھی یقین نہیں ہے کہ پاکستان دراصل افغانستان میں کس فریق کے ساتھ ہے۔ صدر اشرف غنی کے بیانات اور افغان سفیر کی پاکستان سے واپسی حد درجہ منفی صورت حال کو جنم دے چکی ہے۔ مگر ہمیں کوئی پروا نہیں۔ سیاسی جماعتیں آزاد کشمیر کے الیکشن میں کامیابی کے لئے ہر گھٹیا حربہ اور نعرہ استعمال کریں گے بلکہ کر رہی ہیں۔ جھوٹ کے اس کاروبار میں پاکستان کے مستقبل کی کس کو فکر ہے، کسی کو بھی ادراک نہیں۔ کون اس ملک کے زخموں پر مرہم رکھے گا، دور دور تک کوئی مسیحا موجود نہیں ہے۔ ہاں مختلف دل کش روپ میں سیاسی قضائی موجود ہیں اور ان کا کاروبار خوب چل رہا ہے!